ششماہی علوم القرآن علی گڑھ ۸/۱ جنوری۔جون سنہ ۱۹۹۳ء

متنِ قرآنِ کریم۔ تشریح وتفسیر*

محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی

تفسیر وتاویل

متنِ قرآن کریم کے معانی ومفاہیم کی افہام وتفہیم کا علم بالعموم "تفسیر" کے نام سے جانا جاتا ہے لیکن متقدمین سلف زیادہ تر "تاویل" کا لفظ استعمال کرتے ہیں[1]۔ قرآن مجید نے سورۂ فرقان ۳۳ میں صرف ایک مقام پر تفسیر کا لفظ استعمال کیا ہے معنی/معانی کا کہیں حوالہ نہیں دیا۔ تفسیر کا مادہ خوابوں کی تعبیر کے لئے استعمال کیا۔ اسی طرح شرح کا ذکر سینہ کھولنے اور فراخی پیدا کرنے کے معانی میں کیا۔ اگرچہ آیتِ مذکورہ بالا میں لفظ تفسیر "مثل" کی تشریح وتوضیح کے لئے لایا گیا ہے تاہم گزشتہ آیاتِ کریمہ ۳۲-۳۰ میں "مثل" اور "تفسیر" دونوں کا تعلق "قرآن" سے واضح طور سے جوڑا گیا ہے[2]۔ جب کہ لفظ "تادیل" مختلف لسانی اشکال میں سترہ[3] بار وارد ہوا ہے مگر ان میں سے صرف پانچ مقامات پر قرآنِ کریم کی تاویل کے لئے آیا ہے یعنی سورۂ آلِ عمران ۷ اور سورہ اعراف ۵۳ میں دو دو بار اور سورۂ یونس ۳۹ میں ایک بار[4]

تعریف تفسیر وتاویل

تفسیر وتاویل کے بارے میں ایک نقطۂ نظر تطبیقی ہے جو دونوں میں معنی ومدلول کا کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور دونوں کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیتا ہے لیکن دوسرے نقطۂ نگاہ کے مطابق ان میں بہت باریک، دقیق اور حسین فرق ہے جو صرف ماہرین ومحققین کی نگاہِ ادراک کی گرفت میں آتا ہے۔ اول نقطۂ نظر کے قائل امام ابوعبیدہ اور ان کے

---

* یہ مقالہ شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں منعقدہ قومی سیمینار بعنوان "علم شرح، تعبیر اور تدریس متن" (۲۱-۲۳ مارچ سنہ ۱۹۹۲ء) میں پیش کیا گیا تھا جو نظرِ ثانی کے بعد یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔

ہمنوا علما، ہیں۔ مگر علامہ ابن الاعرابی نے ایک قدم مزید بڑھا کر معنی، تفسیر اور تاویل کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ جب کہ زرکشی نے ان تینوں میں فرق بتایا ہے اور زیادہ تر علما دوسرے نقطہ نظر کے ترجمان ہیں۔ ان میں امام راغب اصفہانی، ابن حبیب نیشاپوری، امام ماتریدی امام ابوطالب ثعلبی، ابونصر قشیری، علامہ بغوی، امام کواشی، ابوحیان اور متعدد دوسرے متقدمین و متاخرین شامل ہیں۔ زرکشی، سیوطی وغیرہ نے متقدمین میں اور ڈاکٹر محمد حسین ذہبی وغیرہ نے جدید علما میں تفسیر و تاویل کے بارے میں بہت سے اقوال و افکار جمع کر دیے ہیں۔ بلاشبہ اور بلاخوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں اصطلاحات میں کافی فرق ہے اور وہ دونوں مرادف نہیں ہو سکتے کیونکہ قرآن مجید دونوں کو الگ الگ مفہوم کے مواقع پر استعمال کرتا ہے۔ مگر اسی طرح یہ بھی حتمی اور قطعی ہے کہ دونوں متنِ قرآن کریم مجید کے معانی و مفاہیم کی افہام و تفہیم اور ابلاغ و ترسیل کے فرائض اپنے اپنے دائروں میں انجام دیتے ہیں۔[۵]

شروطِ تفسیر و مفسرین

قدیم و جدید علمائے اسلام اور ماہرینِ قرآن کریم کا اجماع ہے کہ متنِ قرآن کریم کی تفسیر و تاویل اور تشریح و توضیح کے لئے چند شرائط اور آداب کی بجاآوری لازمی ہے کہ ان کے بغیر کسی کو شرحِ قرآنِ عظیم کا حق حاصل نہیں۔ ان لازمی شروط اور آداب میں سے چند کا تعلق مفسر کی ذات سے ہے اور چند کا متن کی شرح و وضاحت کی ماہیت و صفت سے۔

شروط مفسرین

مفسرِ قرآن کے لئے لازمی شرائط و صفات کا ذکر متعدد علما، و ماہرین کے ہاں مختلف نظر آتا ہے۔ امام سیوطی نے ان کو جمع کر کے پندرہ علوم میں منحصر کرنے کی کوشش کی ہے:
لغت[۱]، نحو[۲]، صرف[۳]، اشتقاق[۴]، معانی[۵]، بیان[۶]، بدیع[۷]، قرارت[۸]، اصولِ دین[۹]، اصولِ فقہ[۱۰]، اسبابِ[۱۱] نزول و قصص، ناسخ و منسوخ[۱۲]، فقہ[۱۳]، حدیث[۱۴] اور علمِ موہبت[۱۵] کی مہارت تو مفسر و شارح کی علمی حیثیت اور استحقاق تفسیر کے لئے ضروری ہے اور ان کے علاوہ

اس کے کردار وافکار کے لئے بھی چند لازمی شرائط ہیں جیسے ایمان واسلام، اتباعِ شریعت، صحت عقیدہ وسلامتِ فطرت وغیرہ۔ فضائلِ اخلاق وکردار سے آراستگی کے پہلو بہ پہلو رذائلِ اخلاق وسیرت سے کامل اجتناب کو بھی مزید وضاحت وتشریح کی خاطر بیان کیا گیا ہے تاکہ کسی قسم کی پیچیدگی، الجھن یا ابہام نہ رہ جائے۔[۵]

شروطِ تفسیر

(۱) متنِ قرآنِ کریم کی تفسیر وتاویل کی صحت واستناد کے لئے جن لازمی شروط اور حتمی آداب کو علمائے سلف وخلف نے اجماعی طور سے قبول کیا ہے ان میں اولین تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر سب سے پہلے قرآنِ مجید ہی سے کی جائے کیونکہ قرآنِ عظیم اصولی طور سے اپنی آیاتِ کریمہ کی تفسیر وتشریح خود کرتا ہے۔ ایک مقام پر جو بات مجمل ہے وہ دوسری جگہ مفصل ہے، کہیں عام ہے تو کہیں خاص، کسی مقام پر مطلق ہے تو دوسرے مقام پر مقید۔ اور قرآنی تفسیر وتشریح صرف معانی ومفاہیم کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ الفاظ، کلمات، عبارات اور کلام ولغت کی تعبیرات تک وسیع ہے۔ قرآن مجید میں اکثر وبیشتر یکساں الفاظ وکلمات اور عبارات مختلف مقامات پر وارد ہوئے ہیں اور وہ ان کے معانی ومفاہیم کے متعدد اور مختلف پرتوؤں کا اظہار کرنے کے علاوہ ان کے صحیح معانی ومفاہیم کی تعیین کرتے ہیں۔

(۲) تشریح متن قرآنی کے لئے دوسری لازمی شرط یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعد صحیح مرفوع احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر ان میں وہ مل جائے تو وہ کافی ہے۔ اس کے معنوی دائرہ میں وضاحتِ مزید کی تو اجازت ہے مگر اس سے تجاوز کرنا حرام ہے۔

(۳) قرآن وحدیث کے بعد تیسری لازمی شرط یہ ہے کہ اگر کسی آیت کی تشریح صحیح اقوالِ صحابہؓ کرام میں مل جائے تو اس کی پیروی لازمی ہے کیونکہ وہ نہ صرف اولین حاملینِ قرآنِ عزیز تھے بلکہ صحبت نبوی سے مستفید، علمِ تفسیرِ نبوی سے مالامال اور سیاق

وسیاق نزولِ قرآن کے ماہرین اور خالص عربی مبین کے زبان داں ورمز شناس تھے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ اقوال صحابہ کرام کے بعد افکار وتشریحاتِ تابعینِ کرام کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ صحابہؓ کے فیض یافتہ، ان کے علوم کے وارث، ان کے شاگردانِ رشید ہونے کے سبب قرآنِ مجید کے مزاج داں تھے اور اپنی رائے سے گریزاں بھی۔ زرکشی نے ان کے علاوہ بعض اور حدود وقیود اور شروط کا ذکر کیا ہے جن میں محاورۂ عربِ اولین، عربی زبان، تحقیق اقوال، مطلق لغت کی پابندی وغیرہ اہم ہیں۔[۶]

ذاتی رائے کی تحریم

تفسیرِ ماثور کی ان بندشوں نے ذاتی رائے کی بنا پر شرح وتوضیح قرآنِ کریم کا دروازہ نہ صرف کلی طور سے بند کر دیا بلکہ ایسی تمام تفسیروں کو مردود قرار دے کر ان کو دائرہ تفسیر سے خارج کر دیا۔ کیونکہ یہ تفسیریں معنوی تحریف کی راہیں کھولتی ہیں۔ چنانچہ مختلف فرقوں جیسے معتزلہ، خوارج، شیعہ، صوفیہ، متکلمین، فلاسفہ وغیرہ کی تفاسیر کو رائے مذموم پر مبنی قرار دے کر اُمت اسلامیہ نے تفسیر کے دائرہ ہی سے خارج کر دیا ہے۔[۷]

استنباطی رائے کا جواز

لیکن تفسیری شروط وآداب کے دائروں میں محدود ومرتکز "استنباطی رائے" کو نہ صرف رائے جائز قرار دیا بلکہ اس کی بنا پر تفسیرِ قرآنِ کریم کی اجازت بھی دی اور تحسین بھی کی۔ کیونکہ قرآنِ مجید غور وفکر، تدبر وتعقل اور تفکر وتقلب کی دعوتِ عام دیتا ہے۔ اور ان کی بنا پر تفسیری سلسلہ تا قیامِ قیامت دراز رہے گا۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے تفسیرِ ماثور، تفسیرِ رائے جائز اور تفسیر مبنی بر رائے جائز کے تحت تین اقسام درج کی ہیں۔ اور ان تینوں کا مفصل تحلیلی اور تجزیاتی مطالعہ تین ضخیم جلدوں میں پیش کیا ہے۔[۸]

مراحلِ تفسیر

قرآنی متن کی تشریح وتعبیر کے کئی مراحل ہیں: اول الفاظ کے معانی کی تعیین پہلے لغوی

اعتبار سے پھر قرآنی سیاق وسباق کے لحاظ سے۔ اس کو مفردات کا علم قرار دیا گیا ہے۔ یہ بہت وسیع باب ہے اور اس میں متعدد لغوی مباحث آتے ہیں۔ دوسرے مرحلہ میں فقروں کلموں اور محاوروں کی تشریح وتعبیر آتی ہے۔ تیسرا مرحلہ آیاتِ کریمہ کی انفرادی، آزاد و خود مختار تشریح کا ہے۔ چوتھے مرحلہ میں آیاتِ کریمہ کی اپنی سورت کی گزشتہ اور پیوستہ آیات کے سیاق وسباق میں تشریح وتعبیر آتی ہے اور پانچویں مرحلہ میں قرآن کے مجموعی نظم کے پس منظر میں تفسیر وتاویل آتی ہے۔ تب جاکر قرآنی متن کی تفسیر وتشریح سے صحیح معنوں میں عہدہ برآ ہوا جاسکتا ہے۔

مفرداتِ قرآنِ کریم

تالیفاتِ غرائب

کسی عام متن کی بہ نسبت قرآنی متن کی تفہیم وافہام اور اس کے معانی کی ترسیل وتعیین میں مفرد الفاظ کے معانی کا صحیح علم بوجوہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ بقول امام ابن تیمیہؒ ہر کلام کا اصل مقصود اس کے معانی کا فہم ہوتا نہ کہ صرف الفاظ کی قرات[۵۹]، قرآنی علوم کے تمام ماہرین بالعموم اور مفردات القرآن اور غریب القرآن کے مولفین ومحققین بالخصوص اس پر متفق ہیں کہ مفرد الفاظ کے صحیح معانی کی تفہیم کے بغیر کسی فقرہ، جملہ یا آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسی غرض سے بہت سے مؤلفین اور ماہرینِ زبان نے مفردات اور غریب القرآن وغیرہ کے عنوان سے صدہا کتابیں لکھیں اور ان میں اپنی فہم اور بساط کے مطابق ان الفاظِ قرآنی کے معانی کی تعیین کی کوشش کی جن کو وہ مشکل، غریب، نامانوس، نادر، مبہم وغیرہ سمجھتے تھے[۶۰]

مفردات کے بہترین ماخذ

شاہ ولی اللہ دہلوی نے "غرائب قرآن کی شروح میں بہترین شرح مترجم القرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی" قرار دی ہے" جو ابن ابی طلحہ کے طریقِ روایت سے صحت کے ساتھ ہم کو پہونچی ہے اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح بخاری

میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے اور اس کے بعد ابنِ عباسؓ سے ضحاک کے طریق اور نافع ابن الازرق کے سوالات پر ابن عباس کے جوابات کا مرتبہ ہے۔ ان تینوں طریقوں کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب الاتقان میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ان شروحِ غرائب کا رتبہ ہے جس کو امام بخاری نے ائمۂ تفسیر سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد وہ شروحِ غرائبِ قرآنی ہیں جن کو دوسرے مفسرین نے حضرات صحابہ اور تابعین اور تبعِ تابعین سے روایت کیا ہے۔" شاہ صاحب نے غرائب قرآنی میں متعدد چیزوں کو شامل کیا ہے اور مفردات کے اعتبار سے ان آیاتِ کریمہ کو بھی انھیں میں شمار کیا ہے جن میں ان کے الفاظ کو ان کے ظاہری معانی سے دوسرے معانی کی طرف پھیر اگیا ہو۔[۱۱]

غرائب سے قرآن کی تنزیہ

مولانا عبدالحمید فراہی نے اس کے بالمقابل یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم غریب الفاظ سے خالی اور منزہ ہے کیونکہ قرآن مجید نے کئی مقامات پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ "عربی مبین" میں آیا ہے اور بجا طور سے اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے کیونکہ جن لوگوں کی نظر لغتِ عرب ان کے اشعار و محاورات وخطبات پر ہے وہ قرآنِ کریم کے کلمات کو سہل ترین، نظم کلام کو مستحکم ترین، بات کو واضح ترین، دلالت کو روشن ترین اور سلاست کو جامع ترین پاتے ہیں۔ اس کے الفاظ وکلمات وحشی غریب سے اسی طرح پاک ہیں جس طرح اس کی ترکیب تعقید سے منزہ ہے۔ وہ از اول تا آخر حرف بحرف اور کلمہ در کلمہ اور آیت بہ آیت "کلامِ واضح" ہے۔

نظریۂ غرابت کے اسباب

مولانا فراہی کا خیال ہے کہ چار وجوہ ـــــ غریب القرآن والحدیث کی تالیفات بعض الفاظ کی تاویل میں کثرتِ اختلاف، غیر عرب (عجمی) لغات کے لحاظ سے بعض الفاظ کی تاویل اور کلمہ "اب" اور "تخوف" جیسے الفاظ کے معانی ومفاہیم کے بارے میں بعض اکابر صحابہ کرام کی ناواقفیت کی روایات ـــــ کی بنا پر یہ خیالِ فاسد لوگوں کے ذہن میں جم گیا ہے۔ مولانا فراہی نے ان چاروں وجوہ کی توضیح کر کے ثابت کیا ہے کہ خاص وعام

صحابہ کرام کو کلماتِ قرآنی اور الفاظِ کتاب کے معانی کی تفہیم میں کوئی دقت یا غرابت پیش نہیں آئی اور وہ پوری طرح سے ان کے معانی کا ادراک رکھتے تھے۔ غرابت، اشکال اور دقت کا ذکر دراصل عجمیوں کی نسبت سے کیا جاتا ہے اور ان کا مدار جہل اور شک پر ہے جن کی دو قسمین بیان کی ہیں۔ جہالت کی دو قسمیں یہ ہیں کہ یا تو کلمہ/ لفظ کے نفسِ معنی ہی نہ معلوم ہوں اور اس کی بنا پر مراد کے خلاف معنی سمجھ لئے جائیں یا کلمہ/ لفظ کی کیفیت و کمیت کے بارے میں ناواقفیت ہو اور اس کے سبب نظمِ کلام اور دلالتِ نسق مخفی رہ جائے۔ شک کی اولین قسم یہ ہے کہ متبائن و مختلف وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کی تعیین میں شک واقع ہو جائے جس کی وجہ سے سرگردانی یا خطا کاری پیش آجائے اور دوسرے عموم و خصوص کی حامل وجوہ میں سے کسی وجہ کی تعیین میں تذبذب پیدا ہو جائے۔ ایسے جہل و شک سے گلوخلاصی کی صورت یہ ہے کہ اولاً کلمہ کے معنی، وجوہ اور احوال کی معرفت حاصل ہو اور دوسرے نظم کلام کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ مولانا فراہی نے انھیں دونوں امور کی وضاحت کیلئے اپنی کتاب مفردات القرآن تالیف کی ہے۔[۱۲]

مفردات کی صحیح تحقیق مولانا موصوف نے اپنی کتاب کے مقدمۂ اول میں الفاظ و مفردات کے معانی، وجوہ، حدود اور احوال سے بحث کی ہے اور دوسرے مقدمہ میں لسانی اصول بیان کئے ہیں اور مقدمہ نظام القرآن میں تفسیر کے لسانی مآخذ پر بحث کی ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ مفردات کی تحقیق میں ان کی اصل یعنی قرآن مجید اور پھر کلام عرب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اگر عربی زبان سے ان کی وضاحت نہ ہو سکے تو عربی کی مماثل زبانوں جیسے عبرانی اور سریانی زبانوں میں ان کے استعمالات سے معانی کی تعیین کی جائے۔ ایک اہم قاعدہ یہ مقرر کیا ہے کہ الفاظ کے شاذ معانی سے کلی اجتناب کیا جائے اور ان کے معروف و مستند اور متبادر معانی ہی مراد لئے جائیں۔ جو اصل کلام عرب پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہوں۔ چونکہ ہر لفظ کی متعدد جہتیں ہوتی ہیں جو اس کے مختلف معانی کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے تمام الفاظ و کلمات کے معانی کی تعیین ان کے سیاق و سباق اور موقع و محل کے تناظر میں کرنی لازمی ہے۔

جس طرح مشترک الفاظ کے معانی کی تعیین ان کے موقع ومحل کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ اسی سے انھوں نے یہ قاعدہ کلیہ نکالا ہے کہ الفاظ کے مختلف وجوہ میں سب سے زیادہ پائیدار اور ثابت و مسلم وجہ/ معنی کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔[۱۳]

وجوہ ونظائر اور ان کی تالیفات

الفاظ ومفردات کے لسانی وجوہ واحوال میں قرآن مجید کے حوالہ سے وجوہ و نظائر کی بحث آتی ہے۔ وجوہ سے وہ مشترک الفاظ ومفردات مراد ہوتے ہیں جو قرآن میں مختلف احوال ومواقع میں مختلف معانی میں استعمال ہوتے ہیں اور نظائر ان غیر مشترک الفاظ ومفردات کو کہتے جو مختلف مواقع ومحلات میں بھی صرف ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اس علم کا بانی قرار دیا جاتا ہے اور اس کے مشہور مؤلفوں میں مقاتل بن سلیمان بلخی (م ۱۵۰ھ) یحییٰ بن سلام (م ۲۰۰ھ) ابوالعباس المبرد (م ۲۸۶ھ) حکیم ترمذی (م ۳۲۰ھ) محمد النقاش (م ۳۵۱ھ) احمد بن فارس قزوینی (م ۳۹۵ھ) ابو منصور ثعالبی (م ۴۲۹ھ) اسماعیل حیری (م ۴۳۰ھ) حسین بن محمد دامغانی (م ۴۷۸ھ) ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) اور سیوطی (م ۹۱۱ھ) وغیرہ متعدد اکابر شامل ہیں۔ مولانا فراہی کا یہ تجزیہ صحیح ہے کہ ان کتابوں کی افادیت محدود ہے اور بسا اوقات وہ صحیح معانی کے ادراک سے قاصر رکھتی ہیں۔[۱۴]

اصطلاحاتِ شرعیہ

الفاظ ومفردات میں ایک اہم لسانی بحث یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے متعدد الفاظ کو ان کے لغوی معانی سے پھیر کر ان کو اصطلاحات کی شکل دی اور ان کو نئے معانی عطا کیے جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، مناسک، جہاد، اجتہاد، نحر وغیرہ لہٰذا ان کو اگر صرف لغتِ عرب کے لحاظ سے سمجھا یا جائے گا تو معانی خبط ہو جائیں گے اس لئے ضروری ہے کہ ان کے وہی اصطلاحی معانی متعین کیے جائیں جو اسلام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں متعین کیے ہیں۔ یہ تمام الفاظ ومفردات اصطلاحاتِ شرعیہ کہلاتے ہیں اور ان کے معانی ومفاہیم نہ صرف قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی متعین کرتی ہیں بلکہ اُمت

اسلامیہ کا تعامل بھی ان کی تعیین میں خاصا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بہت سے الفاظ کو ان کے عادی اور معروف معانی میں استعمال کرتا ہے اور کبھی عام مستعمل معانی سے زیادہ خاص معانی میں۔ مولانا فراہی نے اس پر مختصر بحث کی ہے جس کو مزید منقح کیا جا سکتا ہے۔[15]

مترادفات سے قرآن خالی ہے

ہر زبان میں مترادفات کا لسانی اصول بھی کارفرما ہوتا ہے اور عربی زبان اس سے مستثنیٰ نہیں لہٰذا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن مجید میں لازمی طور سے مترادفات/مرادفات بھی ہوں گے۔ لیکن امام زرکشی اور ابن تیمیہ نے ایک اہم لسانی نکتہ یہ اٹھایا ہے کہ الفاظ قرآنی کے معانی کی تعبیر الفاظِ مترادفہ سے نہیں بلکہ الفاظِ متقاربہ سے کی جاتی ہے کیونکہ لغت میں مترادف بہت کم پایا جاتا ہے اور قرآنِ مجید میں تو مترادفات شاذو نادر پائے جاتے ہیں یا بالکل نہیں پائے جاتے ہیں۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک لفظِ واحد کی تعبیر کسی دوسرے لفظِ واحد سے کی جائے جو اس کے اصلی یا تمام معانی کی ترسیل کر سکے بلکہ اس کی تعبیر و تشریح میں اس کے اصل معانی کی قربت پائی جاتی ہے اور یہ قرآنی اعجاز کا ایک سبب ہے۔[16]

غیر مبدل الفاظ

اسی اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ جو کلمہ اور لفظ آیا ہے اس کو کسی دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جا سکتا خواہ وہ معروف معانی میں مرادف ہو یا متقارب۔[17] مثلاً بعض مفسرین نے حمد کو شکر کے معنی میں بیان کیا ہے مگر وہ اس کے صحیح معنی و مفہوم کی ترسیل نہیں کرتا۔[18] سورۂ طور ۹ میں "مور" کا ترجمہ حرکت سے کیا جاتا ہے جب کہ "مور" کے معنی میں حرکت کی خفت اور سرعت بھی شامل ہوتی ہے وحی کے معانی کی تعبیر میں اعلام اور نازل کرنا استعمال کیا جاتا ہے جب کہ اس کا صحیح مفہوم نیز رفتار اور خفیہ اعلام کا ہے۔ اسی طرح ریب کا مفہوم و معنی شک کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے جبکہ ریب میں شک و شبہ کے ساتھ اضطراب و حرکت کا مفہوم بھی ہے اور وہ یقین کا ضد

ہے۔[۱۹] اس کی ایک کلاسیکی مثال سورۂ ضحیٰ ۹۳:۸ میں واقع لفظ "عائل" اور سورۂ توبہ ۹:۲۸ میں وارد لفظ "عیلۃ" کے معانی کی ترسیل بالترتیب فقیر/ محتاج اور فقر/ احتیاج سے کی ہے جو صریحًا غلط ہے کیونکہ قرآن مجید نے فقر اور فقیر کے الفاظ دوسری آیاتِ کریمہ میں استعمال کئے ہیں۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ یہاں "عائل" اور "عیلۃ" کے خاص معانی ہیں جو فقیر و فقر سے زیادہ خاص یا مختلف ہیں۔[۲۰] امام ابنِ تیمیہ، امام راغب اصفہانی اور مولانا فراہی وغیرہ متعدد ماہرین و محققین نے یہ وضاحت کی ہے کہ الفاظ و مفردات کے معانی کی تعیین، تفہیم/ اور ترسیل ان کے مجموعی معانی اور وجوہ کی صورت میں کی جائے خواہ اس کے لئے متعدد الفاظ استعمال کرنے پڑیں۔ ایسا نہ کیا جائے تو الفاظ و مفردات اور کلمات کے معانی ہی خبط نہ ہوں گے بلکہ پورے جملہ اور آیت کا مفہوم و معنی بھی بے معنی ہو جائے گا۔[۲۱]

متون آیات کے معانی

عربی زبان میں "متن" کے لغوی معنی استقامت، پائیداری اور مضبوطی کے ہیں۔ متن سے مراد لکھی ہوئی عبارت (متن الکتاب) ہے۔ قرآن نے متن کا لفظ استعمال نہیں کیا اس کا اسم فاعل "متین" تین جگہ استعمال کیا ہے جو مضبوط و غیر مبدل ہونے کا مفہوم رکھتا ہے۔

الفاظ و مفردات کے انفرادی لغوی معانی کی بجائے خود اور آیت کے سیاق و سباق میں تعیین کے بعد پوری آیت یا کلامِ قرآنی کے معانی واضح ہو جاتے ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کے مخصوص اسالیب اور منفرد اندازِ بیان متن کے معانی کی تعیین و ترسیل میں بسا اوقات مسائل پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی لئے علمائے قرآن کریم نے اسالیبِ قرآن پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ یا اپنی عام تالیفات میں اس موضوعِ گرامی پر بحث کی ہے۔[۲۲]

متنِ قرآنی کی ساخت

اسلوبی ساخت کے اعتبار سے پورا کلامِ قرآنی ایک سو چودہ [۱۱۴] سورتوں میں منقسم ہے اور ہر سورہ بسملہ کے ذریعہ دوسری سے جدا کی گئی ہے سوائے سورۂ توبہ کے کہ وہ الگ تو کی گئی ہے مگر اسے [illegible] اسے پہلے بسملہ نہیں ہے۔ یہ ساختیاتی انداز قرآنِ کریم میں بسملہ

کی حیثیت بھی متعین کرتا ہے۔ ہر سورہ خواہ چھوٹی ہو یا بڑی متعدد آیات میں منقسم ہے۔ اور ہر آیت یا تو ایک ہی جملہ پر مشتمل ہے یا ایک سے زیادہ جملوں، فقروں اور موضوعات پر۔

نظم و ربط آیت و قرآن

اس پر تمام علماء اور محققین کا تقریباً اجماع ہے کہ ہر آیت کے مشتملات میں لازمی طور سے ایک ربط و تناسب ہوتا ہے۔ نظمِ کلام قرآنی کے قائلین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ہر سورہ کی تمام آیاتِ کریمہ آپس میں مربوط اور متناسب ہیں اور ایک وجدانی منظم کلام پیش کرتی ہیں۔[۲۳]

مجموعی نظم کا انکار

جب کہ امام شاہ ولی اللہ دہلوی اور دوسرے علماءِ کرام جو نظمِ قرآنِ کریم کے قائل نہیں ہیں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں کہ "ترتیبِ براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسرے مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ ادبائے متاخرین کا قاعدہ ہے نہیں کی گئی بلکہ خداوند تعالیٰ نے جس حکم کو بندوں کے لئے مہتم بالشان سمجھا اسی کو بیان کیا خواہ کوئی مقدم ہو جائے یا مؤخر۔"[۲۴]

نظمِ قرآن کے مکاتبِ فکر

لیکن نظمِ قرآن کے قائلین خاص کر ابو جعفر بن زبیر، برہان الدین بقاعی، علاء الدین مہائمی، سیوطی، رازی اور ہمارے دور میں مولانا فراہی اور امین احسن اصلاحی اور ان کے مکتبِ فکر سے وابستہ مفسرین نہ صرف ایک سورہ کو ایک منظم کلام مانتے ہیں بلکہ تمام سورتوں کو ایک دوسرے سے مربوط، متناسب، متناسق تسلیم کر کے پورے قرآن مجید کو ایک منظم کلام بتاتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے دلائل بڑے وقیع، وزنی اور یقین دلانے والے ہیں اگرچہ اس عظیم فن کی عملی صورت گری پوری طرح ابھی تک نہیں کی جا سکی ہے۔[۲۵]

قرآنی اسالیب

متقدمین میں امام زرکشی، سیوطی وغیرہ نے اور متاخرین میں مولانا فراہی نے

قرآنی اسالیب پر اہم تحریریں چھوڑی ہیں جن سے اکتسابِ فیض کرکے دوسرے مؤلفین اور محققین نے بھی اپنی کاوشیں پیش کی ہیں۔ علامہ فراہی نے اَن گنت اسالیبِ قرآن میں سے بتیس[۳۲] کی تشریح کی ہے جب کہ زرکشی نے پچاس تک کوشش کی ہے اور سیوطی نے سو سے اوپر تعداد کا حوالہ دے کر بیشتر پر کلام کیا ہے۔ اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ گوناگوں اور کثیر اسالیبِ قرآنِ کریم کی بحث کافی طویل، پیچیدہ اور مشکل ہے اور جب تک ان میں فنی مہارت نہ ہو متونِ قرآنی کی تفسیر و تشریح نہیں کی جا سکتی۔[۲۶]

عمومی و خصوصی تشریح

لیکن اس سے یہ سمجھ لینا سخت غلطی اور گمراہی ہوگی کہ متنِ قرآنی کی افہام و تفہیم اور اس کے معانی کی تعیین ناممکن ہے۔ دراصل قرآنی متون کی افہام و تفہیم کی دو سطحیں ہیں ایک عمومی اور دوسری خصوصی۔ دوسری کا تعلق اہلِ علم اور ماہرین سے ہے جو قرآنی اسالیب کلام اور متون کی فنی اور علمی تشریح کرتے ہیں اور عمومی سطح کا تعلق عام مخاطبین سے ہے جو ضروری لسانی فہم کے مالک ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قرآنِ مجید کے ظاہری معانی یعنی اس کے متن کے ظاہری مفاہیم کو سمجھنے میں اس کے اولین مخاطبوں کو ذرا بھی دقت نہیں ہوئی اور نہ ہی بعد کے عربوں کو محسوس ہوئی۔ جن عربی دالوں کو اس کے متن کے افہام و تفہیم میں مشکل پیش آئی وہ ان کی اپنی لسانی خامی، ذہنی کمزوری اور ایسے ہی دوسرے اسباب کے سبب تھی نہ کہ قرآنِ کریم کے اسالیب کی پیچیدگی اور مشکل کے سبب۔[۲۷]

نبوی تعلیم الفاظ و معانی

امام ابنِ تیمیہ نے اسی بنا پر متعدد آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابۂ کرام سے ثابت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو معانیِ قرآنِ کریم اور الفاظِ قرآنِ کریم دونوں کی تعلیم دی تھی اور ان دونوں کی تشریح و تعبیر بھی کی تھی۔ حضرت عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جیسے کبارِ صحابہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیاتِ کریمہ سے زیادہ اس وقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک ان میں موجود علم و عمل دونوں کو آپ سے حاصل نہ کر لیتے۔ اسی لئے ایک سورہ کی تعلیم

میں کافی مدت لگتی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ ان کو صرف سورۂ بقرہ کی تعلیم میں آٹھ سال کی مدت لگی تھی۔ یہ واضح ہے کہ یہ خصوصی تعلیم اور فنی مہارت کا معاملہ تھا۔[۲۸]

واضح اور مبین عربی متن

عام مخاطبین کو خواہ وہ مسلم و مومن ہوں خواہ کافر و منکر، متنِ قرآن کریم کا ظاہری مفہوم سمجھنے میں کبھی دقت پیش نہیں آئی جیسا کہ بکثرت روایات، آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے مزید برآں نہ تو قرآن مجید سے اور نہ دوسرے مآخذ سے منکرین و کافرین کا کوئی اعتراض ثابت ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی کو نہیں سمجھتے تھے۔ اسی کی قرآن مجید نے خود وضاحت کی ہے کہ ہم نے قرآن کو ذکر و نصیحت اور عبرت و موعظت کے لئے آسان بنا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے بجا لکھا ہے کہ "نزولِ قرآن سے مقصودِ اصلی نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔" اور تہذیبِ نفسِ انسانی اور تذکیرِ الٰہی کا مقصود قرآنِ کریم کے ظاہری متن سے بلا تکلف و تردد حاصل ہوتا ہے۔ انھوں نے مزید وضاحت کی ہے کہ "قرآن مجید ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورہ عرب کے موافق نازل ہوا اور اہلِ عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اس سے قرآن مجید کے معنی و منطوق سمجھ لیتے تھے۔"[۲۹] اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کے ظاہری متن کے معانی کی افہام و تفہیم آسان ہے اور سب اس سے مستفید ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے باطنی معانی و مفاہیم اہلِ علم و فن کے لئے مخصوص ہیں۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطنِ قرآن سے مسلم صوفیاءِ کرام اور دوسرے اشاری اور باطنی تفسیر کے قائلین کی تفسیرِ مذموم مراد نہیں ہے جو رائے مذموم پر مبنی ہوتی ہے اور قرآنِ کریم کے ظاہری متن اور الفاظ کو بلا دلیل و شہادت اپنے من مانے معانی پہناتی ہے۔

دلیل و مدلول کی صحت

چنانچہ امام ابنِ تیمیہ نے ایک اصولِ تفسیر یہ قائم کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر و

تشریح وہی صحیح ہے جو دلیل اور مدلول دونوں میں متنِ قرآنی کے مطابق اور صحیح ہو۔ آثارِ صحابہ و تابعین، اقوالِ تبع تابعین اور رائے جائز پر مبنی تفاسیر کو انھوں نے دلیل و مدلول دونوں کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے۔ جن لوگوں نے قرآن مجید کے ظاہری لفظ کو اس کے مدلول یا ظاہری اور معروف معنی سے محروم کر کے غیر مدلول اور غیر مرادی معانی پر محمول کیا ہے انھوں نے دلیل و مدلول دونوں میں غلطی کی ہے۔ ان میں تمام اہلِ بدعت جیسے خوارج، روافض، جہمیہ، معتزلہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہ شامل ہیں۔ کیونکہ انھوں نے پہلے کچھ معتقدات فرض کر لئے اور پھر ان پر قرآنی متون کو محمول کیا جس پر ائمہ سلف کی تائید و شہادت موجود نہیں تھی۔ جو لوگ دلیل میں خطاکار ہیں مگر مدلول میں صحیح ان میں بہت سے صوفیہ، واعظین، فقہا وغیرہ شامل ہیں۔ وہ متنِ قرآنِ کریم کی تفسیر جن معانی و مدلولات کے ساتھ کرتے ہیں وہ بجائے خود صحیح ہوتے ہیں لیکن قرآن کریم کے الفاظ و متون ان پر دلالت نہیں کرتے جیسے ابوعبدالرحمٰن سلمی کی تفسیر کہ غلط دلائل اور صحیح مدلولات کا مجموعہ ہے۔[۳۰]

معروف ظاہری معانی لازمی

امام ابنِ تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا فراہی جیسے اہلِ بصیرت نے متنِ قرآنی کے معانی کی تعیین میں یہ اصول قائم کیا ہے کہ الفاظ و مفردات کی طرح پورے کلامِ قرآنی کو عرب محاورہ اور عربِ اول کے استعمالات کے مطابق سمجھنا چاہئے اور متبادر اور ظاہری الفاظ و جملوں اور آیات کا جو مفہوم و معنی ابھرتا ہو اسی کو مراد لینا چاہیے کہ وہی صحیح ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کو پانچ علوم پر مشتمل قرار دیا ہے: (۱) علمِ احکام (۲) علمِ مناظرہ (۳) علمِ تذکیر بآلاء اللہ (۴) علمِ تذکیر بایام اللہ (۵) علمِ تذکیر بالموت و مابعد الموت وہ حدیثِ نبوی: "لکل آیۃ منھا ظھر و بطن و لکل حد مطلع (قرآن شریف کی ہر ایک آیت کے لئے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہیں اور ہر ایک حد کے لئے جھانکنے کی جگہ ہے)" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ان علوم پنجگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور باطن علمِ تذکیر بآلاء اللہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں

غور کیا جائے اور صحیح مراقبہ [کیا جائے] اور علمِ تذکیر بایام اللہ میں ان قصوں سے مدح وذم اور عذاب و ثواب کے موقوف علیہ کی پہچان ہے اور نصیحت حاصل کرنا [ہے] اور فنِ تذکیر بالجنۃ والنار میں امید وبیم کا ظہور اور ان امور کو چشم دید کیفیت تک پہنچانا اور احکام کی آیتوں میں ان کی فحوی سے باریک وخفی احکام کا استنباط، اور گمراہ فرقوں سے مباحثوں میں اصل کی پہچان اور نیز ان کے ساتھ دوسری قباحتوں کو شامل کرنا [ہے]۔ کلام اللہ کے ظاہر کی اطلاع زبانِ عرب اور ان آثار کے علم سے ہوتی ہے جن کا تعلق فنِ تفسیر سے ہے۔"[۳۱]

صحیح مرادی معنی کے مسائل

اسی سے متعلق ایک اہم اور گہری معنویت کا حامل مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی آیت یا متنِ قرآنِ کریم کا صحیح مرادی معنی کیا ہوتا ہے؟ اس کا ایک ہی معنی ہوتا ہے یا متعدد معانی ہوتے ہیں؟ یا متعدد معانی کا صرف احتمال ہوتا ہے؟ پھر ان متعدد معانی میں کیا ربط وتعلق ہوتا ہے؟ صحیح مرادی معنی کے اثبات وتحقیق کی بنیاد اور ماخذ کیا ہے؟ اور کس حد تک ہم قطعیت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ صرف ایک، دو یا متعدد معانی ہی صحیح مرادی معانی ہیں؟ چونکہ مقدس کتابیں خاص کر قرآنِ مجید الہامی کلام ہیں اور ان کا متکلم ومؤلف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا مراد الٰہی کا ادراک کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر کسی طرح کر بھی لیا جائے تو اس پر قطعی ہونے کی دلالت کیا ہے؟[۳۲] یہ اور ایسے متعدد ذیلی مسائل وامور نے متقدمین اور متاخرین دونوں کو دعوتِ غور وفکر دی ہے اور انھوں نے اپنے اپنے خیالات وافکار کو منقح ومدلل یا کسی نہ کسی شکل وصورت میں پیش کیا ہے۔

واضح اور محتاج بیان متون قرآنی

امام زرکشی نے ایک خاص فصل میں یہ وضاحت کی ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات/متون دو طرح کے ہیں: ایک واضح وبین جو نہ اپنے بیان وتشریح کی محتاج ہیں نہ کسی غیر کی۔ ایسی زیادہ تر آیات ہیں۔ دوسرے وہ جو بجائے خود واضح وبین نہیں بلکہ دوسرے متونِ قرآنی یا سنت وحدیث کی وضاحت وتشریح کی محتاج ہیں کہ وہ حکمِ قرآنی کے مطابق

بیان و تفسیر کے لئے ہی وضع کی گئی ہیں۔ دوسری قسم میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، صیام، حج، معاملات، نکاح اور جنایات (سزاؤں) وغیرہ کے احکام پر مشتمل آیات ہیں جن کی تشریح و تعبیر دوسری قرآنی آیات، احادیث یا سنت و تعامل کے آثار سے کی جانی لازمی ہے۔ امامِ موصوف نے ان کی متعدد اقسام بیان کی ہیں۔[۳۳]

ظاہری معانی صحیح ہیں

جہاں تک متنِ قرآن کے ظاہر کا تعلق ہے تو اس کے معنی اسکے ظاہری اور متبادر الفاظ بلا اشتراک و ابہام طے کرتے ہیں اور محاورۂ عرب کے مطابق ظاہری متن کے جو معنی نکلیں وہی اس کے اصلی معنی ہیں۔ متقدمین میں امام ابنِ تیمیہ، شاہ ولی اللہ وغیرہ نے اور ہمارے دور میں مولانا فراہی نے ان میں ظاہری معنی کو اصلی، صحیح اور مرادی معنی قرار دیا ہے۔ مولانا فراہی نے اس پر یہ اہم اضافہ بھی کیا ہے کہ ایک آیت / متن صرف ایک ہی معنی کا متحمل ہوتا ہے اور متعدد معانی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ "قرآن مجید بالکل قطعی الدلالت ہے۔ ہر آیت میں مختلف معانی کا احتمال محض ہمارے قلتِ علم و تدبر کا نتیجہ ہے ...... قرآن نے ادائے مطالب کے لئے وہی اسلوب اختیار کئے ہیں جو سب سے زیادہ واضح، سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ خوب صورت تھے..."[۳۴]

ظاہری معنی مُرادِ الٰہی ہیں

اسی بنا پر ان بزرگوں کی رائے یہ ہے کہ متبادر اور ظاہری الفاظ کے روشن اور واضح معنی نہ صرف صحیح مرادی معنی ہیں بلکہ وہی مرادِ الٰہی بھی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے کلام سے اپنے عام بندوں کو وعظ و نصیحت اور تذکیر و توضیح کی خاطر کبھی مخاطب نہیں کر سکتا جس کے ظاہری الفاظ کے ظاہری معنی نہ ہوں اور جن کے ایسے خفیہ اور پیچیدہ معنی ہوں جن کی تلاش و جستجو یا ادراک عام استعداد کے بس میں نہ ہو کیونکہ اس سے قرآنی متن کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے بہت کم الفاظ اور جملوں کی تعبیر و تشریح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یا صحابۂ کرام اور اولین عرب سے مروی ہے۔ جن الفاظ و عباراتِ قرآنی کی لفظی توضیح و تشریح ائمہ سلف سے مروی

ہے وہ غیر عرب اور زبان واسلوبِ قرآن سے عاری یا محروم لوگوں کی نسبت سے ہے۔[۳۵]
اوران توضیحات وتشریحات کو مختلف اقوال یا الفاظ وتعبیرات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

کثرتِ اقوال کے اسباب

مولانا فراہی کے بقول "جن علما نے اپنی تفسیروں میں بہت سے اقوال نقل کر دئے ہیں ان کا منشا یہ ہے کہ آیت کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کو ہمارے سامنے رکھ دیں اس میں سے قولِ راجح کا انتخاب انھوں نے ہماری تمیز پر چھوڑا ہے۔ پس یہ بات جائز نہیں کہ ہم بغیر کسی ترجیح وانتخاب کے تمام رطب ویابس یاد کر چھوڑیں اور پھر حیرانی و سرگشتگی کی وادیوں میں ٹھوکریں کھاتے پھریں"۔ مولانا موصوف کا یہ بھی اصول ہے کہ صرف صحیح اقوال جو تحقیق پر کھرے اتریں نقل کئے جائیں جیسا کہ اسلاف کا طریقہ تھا اور اقوال کے ساتھ ساتھ ان کے دلائل بھی ضرور نقل کریں تاکہ صحیح معنی تک رسائی ہو سکے۔[۳۶]

اختلافِ تفسیر کی حقیقت

امام ابنِ تیمیہ نے متعدد اقوال کے سلسلہ میں ایک نیا اصول وضع کیا ہے جو بالآخر معنیٔ واحد کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے مطابق کسی آیت یا متن کے معنی کی تعیین وتفسیر میں اسلاف کا اختلاف بہت کم ہے اور جہاں اختلاف یا دوسرے معانی میں متعدد اقوال نظر آتے ہیں وہاں وہ "اختلافِ تضاد" نہیں بلکہ "اختلافِ تنوع" ہے۔ اس کی انھوں نے دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) ایک یہ کہ مراد اصلی کے بارے میں ایک شخص دوسرے سے مختلف عبارت وتعبیر اختیار کرتا ہے جو مسمّیٰ میں اتحاد کے باوجود دوسرے معنی کا فائدہ دیتا ہے یا اس پر دلالت کرتا ہے جیسے مترادف اسما، یا مختلف الفاظ جو ایک ہی مسمّیٰ پر اس کی صفات کے لحاظ سے دلالت کرتے ہیں جیسے تلوار کے لئے سیف، صارم، مہند کے الفاظ یا اللہ تعالیٰ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے مختلف ومتعدد اسمائے گرامی اور صفاتِ حسنیٰ۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ متعدد اسماء میں سے بجائے اسمِ عام کے اس کی بعض انواع کا بطور تمثیل ذکر کیا جائے تاکہ سامع کو اس نوع کی تنبیہ ہو جائے

جیسے کوئی روٹی کے اسمِ عام کے بجائے اس کی کسی قسم چپاتی (رغیف) تندوری رومالی وغیرہ کا ذکر کر دے۔ ان دونوں میں دلالتِ معنی ایک ہے[۳۷] قرآن مجید میں اس کی ایک بڑی اور واضح مثال "صراط مستقیم" کی ہے۔ اس کی تعبیر و تشریح میں جو اقوال مذکور ہیں ان میں اسلام، ایمان، دین، قرآن، راہِ الٰہی، جنت، کامیابی منعم علیہم (انعام یافتگان) کے اسوہ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء کرام کے طریق وغیرہ کے اقوال شامل ہیں۔ جو مختلف اور بظاہر متبائن معلوم ہونے کے باوجود صرف ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں یعنی وہ سیدھا راستہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح کیا ہے۔ "استوا" کا لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے واضح ہے۔ قرآن نے اس کو اللہ اور بندوں دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ اللہ کے لئے "استویٰ علی العرش" تدبر و تخلیق کائنات کے لئے "استویٰ الی السماء" انسانوں کے لئے "استویٰ علیٰ" کا استعمال فاذا استویت انت ومن معك علی الفلك، فاذا استویتم علیٰ ظهوره کشتی نوح کے لئے فاستوت علی الجودی معراج میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذو مرۃ فاستوی حضرت موسیٰ کی روحانی و جسمانی تکمیل کے لئے فلما بلغ اشدہ واستوی آتینہ حکما وعلما وغیرہ[۳۸]

متنِ قرآن میں منشائے الٰہی کی رعایت

مرادی معنی کی ناگزیر پابندی جو دراصل متن کی معنی خیزی کی قوت کے ساتھ مشروط ہو جاتی ہے اور جو منشائے مؤلف کی لازمی رعایت کی طرف لے جاتی ہے از خود یہ مسئلہ طے کر دیتی ہے کہ منشائے مولف کم از کم قرآنی متن کی تشریح و تفسیر میں ناگزیر شرط ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآنی تفسیر و توضیح میں منشائے الٰہی کی تعیین متن کی ظاہری معنی خیزی کی قوت کے علاوہ احادیثِ صحیحہ، اقوالِ صحابہ اور آثار ائمۂ سلف سے ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف غیر پابند، غیر منظم اور متن کی قید و بند سے آزاد رائے مذموم کی بنا پر کی جانے والی تفسیر قرآن کریم کا سدِ باب کرتی اور گمراہ فرقوں کی پھیلائی ہوئی فکری گمراہی اور عملی بے راہ روی کی روک تھام کرتی ہے بلکہ متنِ قرآن کی صحیح تفسیر بھی کرتی ہے۔[۳۹]

ظاہری معانی سے ماورا تفسیر و تشریح

تفسیر و تاویلِ قرآن کے ضمن میں ایک اہم اور معنی خیز جہت یہ ہے کہ وہ متنِ قرآنِ عزیز کے ظاہری الفاظ کی معنی خیزی سے ماورا کچھ مزید معانی و مفاہیم کا تقاضا کرتی ہے اور جس کا متعلقہ متن کے ظاہر سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔ اس کو بالواسطہ تفسیر و تشریح متن کا بھی نام دیا جا سکتا ہے۔ تفسیر و تاویل کی ایک اہم تعریف بقول امام زرکشی یہ ہے کہ لغوی معانی کے علاوہ اصطلاحی طور سے آیات اور سورتوں کے نزول، ان میں موجود قصص و اخبار، ان میں پوشیدہ نزولی اشارات، مکّی مدنی سورتوں کی تعیین، محکم و متشابہ کی تمیز، ناسخ و منسوخ کی معرفت، خاص و عام کی پہچان، مطلق و مقید کی تفریق اور مجمل و مفسر کی تشخیص کا نام علمِ تفسیر و تاویل ہے۔ دوسرے علما نے علمِ تفسیر میں حلال و حرام کے احکام، وعد و وعید، امر و نہی، عبرت و مثال وغیرہ کی معرفت کے علم کا بھی اضافہ کیا ہے۔ [۱۸]

تفسیر بطنِ قرآن ہے

قرآنی تفسیر و تاویل کی یہ اصطلاحی تعریف اس کو متن کے ظاہری معانی کی حدود سے الگ کر کے اس کے بطن کی طرف لے جاتی ہے۔ ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جا سکتی ہے۔ سورۂ نصر کے متن کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ "جب اللہ کی مدد آ جائے اور فتح نصیب ہو جائے اور (اے نبی) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔" جہاں تک اس سورہ کے متن کے ظاہری معانی کا تعلق ہے وہ بالکل واضح ہیں۔ تفسیر و تاویل کے ماہرین نے اس سورہ میں موجود اشارات یعنی نصر (مدد) اور فتح اور دین میں عوامی داخلہ اور حمد و تسبیح اور طلبِ مغفرت کی مزید تشریح کی ہے جو متن سے کسی نہ کسی حد تک متعلق ہے۔ اور اس میں انھوں نے تفسیری روایات اور تفکر و تدبرِ قرآنی پر مبنی رائے، دونوں سے کام لیا ہے۔ لیکن ماورائے متن تاویل یہ کہ یہ سورت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ نبوت کی تکمیل کے سبب آپ کی وفات کی اطلاع دیتی ہے۔ تمام قدیم و جدید مفسرین نے سورہ کی اس ماورائے

متن تاویل و تفسیر کا ذکر ایک دو یا متعدد روایات کے حوالہ سے کیا ہے۔ انھوں نے متن میں موجود اشارات کی توضیح بھی کی ہے اور سورت کا پس منظر و پیش منظر بھی بیان کیا ہے۔ بلاشبہ اس پوری تفسیر و تاویل سے بطنِ سورت کا علم ہوتا ہے اور ظہرِ سورت کی معنی خیزی میں اضافہ بھی لیکن اس کے بغیر بھی متنِ قرآن واضح ہے اور وہ عام مخاطبوں کے لئے اپنا اصلی مقصد یعنی عبرت پذیری اور تذکیر پوری طرح ادا کرتا ہے۔[۱۴۱]

نئی نئی تفسیروں کا تسلسل

متنِ قرآنِ کریم کی تشریح و توضیح اور تفسیر و تعبیر پر عائد کردہ متعدد قیود و شرائط کے باوجود تمام علما و فضلا نے اور امتِ اسلامی نے مجموعی طور سے یہ حقیقت تسلیم کی ہے اور اس کی اجازت دی ہے کہ صحیح تدبر و تفکر کی بنا پر قرآنِ کریم کی نئی نئی تفسیر و تشریح کی جا سکتی ہے جیسا کہ مولانا فراہی نے خاص طور سے واضح کیا ہے۔[۱۴۲] پھر اسلامی تاریخ بلاشک و شبہ ثابت کرتی ہے کہ امتِ اسلامی نے ہر دور میں اپنے عہد و عصر کے تقاضوں کے مطابق قرآنِ مجید کی تفسیر و تشریح کی ہے اور ان کی رائے جائز پر مبنی تفسیر و تاویل کو امت اور علما میں قبولِ عام ملا ہے اور رائے مذموم پر مبنی تفسیر و تشریح پر نقد و رد کی جرأت کی گئی ہے۔[۱۴۳] اور اس میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں کہ انھیں بنیادوں پر قرآنِ کریم کے متن کی تشریح و تفسیر اور اس کے قبول و رد کا سلسلہ اسی طرح تا قیامِ قیامت چلتا رہے گا۔

تعلیقات وحواشی

۱۴۱ راغب اصفہانی (امام ابوالقاسم حسین بن محمد م ۵۰۲ھ) مقدمۃ التفسیر، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۹۶۱ء ص ۷-۵۸۶۔ زرکشی (امام بدرالدین محمد بن عبداللہ م ۷۹۴ھ) البرہان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ قاہرہ ۱۹۵۷ء دوم نوع ۴۱ ص ۹-۱۴۶، سیوطی (امام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر کمال الدین م ۹۱۱ھ) الاتقان فی علوم القرآن اردو ترجمہ محمد حلیم انصاری، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء، جلد دوم ستترویں نوع ص ۳۰-۴۲۴ اور نوع ۷۸ ص ۵۸-۶

۱۳۴ غلام احمد حریری تاریخ تفسیر و مفسرین تاج کمپنی دہلی ۱۹۸۵ء ص ۱۸-۱۱ جو ڈاکٹر محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون قاہرہ۔ اول کا ترجمہ و تلخیص ہے۔

امام محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر کا نام جامع البیان فی تاویل آی القرآن رکھا تھا جسے ڈاکٹر ذہبی نے اپنی کتاب میں برقرار رکھا مگر حریری نے اس کو بدل کر جامع البیان فی تفسیر القرآن کر دیا۔

قاضی بیضاوی (عبداللہ بن عمر م ۶۸۵ھ) کی تفسیر کا عنوان ہے: انوار التنزیل واسرار التاویل
امام نسفی (ابو البرکات عبداللہ بن احمد م ۷۰۱ھ نے اپنی تفسیر: مدارک التنزیل وحقائق التاویل کے عنوان سے لکھی۔

امام خازن (ابو الحسن علی بن محمد م ۷۴۱ھ) نے لباب التاویل فی معانی التنزیل کا نام اپنی تفسیر کو دیا۔

متعدد دوسرے مفسرین نے بھی تاویل ہی کو ترجیح دی۔ عصر جدید کے امام تفسیر مولانا فراہی نے تاویل ہی کو زیادہ پسند کیا ہے۔

تفسیر کو اختیار کرنے والے علما و مفسرین کی تعداد بھی کافی ہے ان میں ابو اسحاق ثعلبی، ابن عطیہ اندلسی، ابن کثیر دمشقی، جلال الدین سیوطی، سہیل تستری، ابو عبدالرحمٰن سلمی وغیرہ کافی ممتاز ہیں۔

۵۲ سورۂ فرقان کی آیات ترتیب وار ہیں: وقال الرسول یٰرب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا
۳۲: وقال الذین کفروا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذٰلك لنثبت به فؤادك ورتلنٰه ترتیلا
۳۳: ولا یاتونك بمثل الا جئنٰك بالحق واحسن تفسیرا

۵۳ قرآنِ کریم کی تاویل سے متعلق آیاتِ کریمہ ہیں: آلِ عمران ۷: ھو الذی انزل علیك الکتاب منه اٰیٰت محکمٰت ھن ام الکتاب واخر متشٰبھٰت، فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون آمنا به کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب ٥

اعراف ۵۳: ھل ینظرون الا تاویله یوم یاتی تاویله یقول الذین نسوه من قبل قد جاءت رسل ربنا بالحق

یونس ۳۹: بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ

"تاویل کے دوسرے استعمالاتِ قرآنی کے لئے ملاحظہ ہو: محمد فواد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (مادہ اول)

۸۴ مذکورہ بالا حوالوں کے علاوہ ملاحظہ ہو: ابن منظور افریقی (ابوالفضل جمال الدین بن مکرم م ۱۳۱۱ھ) لسان العرب، مادہ ف س ر اور مادہ "اول" جنھوں نے تفسیر کے معنی "ابان" (ظاہر واضح کرنا) بتاتے ہیں اور ابن الاعرابی کے قول اور آیتِ فرقان کے حوالہ سے کہا ہے کہ تفسیر کے معنی ہیں مشکل لفظ کی مراد واضح کرنا جب کہ تاویل کے معنی ہیں دو متحمل معانی میں ظاہر کے مطابق معنی کو ترجیح دینا۔

تاویل پر ابن منظور نے کافی مفصل لکھا ہے اور آیات واحادیث اور اقوال واشعار کے حوالوں سے یہ کہا ہے کہ تاویل سے مراد یہ ہے کہ ظاہر لفظ کو اس کی اصل وضع سے پھیر کر کسی لازمی دلیل کے مطابق معنی لئے جائیں کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو ظاہر لفظ نہ ترک کیا جاتا۔ ابو منصور کے مطابق تاویل یہ ہے کہ مشکل الفاظ کے تمام معانی کو ایک ایسے واضح لفظ سے ادا کیا جائے جس میں کوئی اشکال نہ ہو۔ جوہری نے تاویل کو کسی کے مرجع ومنبع کی تفسیر کہا ہے۔

زرکشی نے ابنِ فارس کا قول نقل کیا ہے کہ عبارت کے معانی جن سے اشیاء کی تعبیر کی جاتی ہے تین قسم کے ہیں: معنی، تفسیر اور تاویل جو اگرچہ مختلف ہیں مگر ان سے متقارب مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

راغب اصفہانی نے تفسیر کو الفاظ کی تشریح کے ساتھ مخصوص کر کے اسے معقول معنی کا اظہار قرار دیا ہے اور تاویل کو معانی کی تشریح وتعبیر بتایا ہے۔ تفسیر تاویل سے زیادہ عام ہے اور اس کا زیادہ استعمال الفاظ میں ہوتا ہے۔

ابونصر قشیری کا خیال ہے کہ تفسیر میں اتباع اور سماع کا اعتبار ہوتا ہے جب کہ تاویل میں استنباط کیا جاتا ہے۔ جو لفظ/عبارت صرف ایک معنی واحد کا احتمال رکھتا ہے اس کو اسی پر محمول کیا جاتا ہے اور جس میں دو یا زیادہ معانی کا احتمال ہوتا ہے ان میں ظاہر کے مطابق معنی لیا جاتا ہے۔

بغوی اور کواشی کے نزدیک "تاویل" آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنے کا نام ہے جو اس کے ماقبل و مابعد کے ساتھ موافق ہوں، اور آیت ان معانی کا احتمال رکھتی ہو اور استنباط پر مبنی

اور کتاب وسنت کے مطابق ہوں۔

امام ماتریدی لفظ/آیت کے مرادی معنی کو تفسیر اور بہت سے احتمالات میں سے کسی کی ترجیح کا نام تاویل بتاتے ہیں۔

تاویل وتفسیر کے اختلاف کے بارے میں اگرچہ بہت سے اقوال ملتے ہیں تاہم ان کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر روایت وسماع پر مبنی تشریحِ متن کا نام ہے جب کہ تاویل میں تدبر و تفکر سے کام لے کر استنباط کیا جاتا ہے اور مختلف احتمالات میں سے کسی کو ترجیح دی جاتی ہے یہی خیال مولانا فراہی کا بھی معلوم ہوتا ہے۔

۵۵ زرکشی نوع ۴۱، ۱۴۶-۷۹، سیوطی، نوع ۷۸ دوم ص ۴۶-۲۳۱، امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۸۰ء نے تفسیر سے ایک قدم پہلے صرف فہم قرآن کے لئے، نیت کی پاکیزگی، قرآن کے برتر کلام الٰہی ہونے کے اعتقاد، صحیح کردار اختیار کرنے کے عزم، تدبر، تقوی اور اللہ تعالی کی جناب میں خود سپردگی کو ضروری شرائط بتایا ہے اور پھر تدبر وغیرہ کے اصول وآداب گنائے ہیں۔

۵۶ زرکشی نوع ۴۱ ص ۴-۶۴-۱۵۶۔ نیز ملاحظہ ہو: ابنِ تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، مرتبہ جمیل آفندی شطی، دمشق ۱۹۳۹ء ص ۶-۸ اور ۲۹-۲۴۔ نیز سیوطی، نوع ۷۷، اور نوع ۷۸، جنھوں نے ان تمام شروط کے ضروری نکات پر بھی بحث کی ہے، فراہی، تفسیر نظام القرآن، ص ۴۶-۳۵، امین احسن اصلاحی مبادی تدبر قرآن، ص ۶۴-۵۲۔

۵۷ ابنِ تیمیہ، مقدمہ فی اصول التفسیر، ص ۲۴-۲۱، زرکشی نوع ۴۱ ص ۷۱-۱۷۰، میں تفسیرِ صوفیہ پر ایک مختصر فصل باندھی ہے اور ابن الصلاح کے فتاوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابو الحسن الواحدی کہا کرتے تھے کہ اگر ابو عبدالرحمٰن سلمی نے اپنی حقائق التفسیر کو تفسیر سمجھا تھا تو کفر کے مرتکب ہوئے تھے۔ اگرچہ خود زرکشی نے ایسے انتہائی قول سے گریز کیا ہے مگر افسوس کا اظہار کیا ہے کاش وہ باطنیہ کے مسلک کی اتباع نہ کرتے اور التباس وابہام سے بھری چیزیں نہ لکھتے۔ امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، ص ۸۲-۶۷ نے تقریباً تمام تفاسیرِ ماثورہ اور مبنی بر رائے کی افادیت سے انکار کر دیا ہے۔ یہی خیال مولانا آزاد نے بھی جا بجا ظاہر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو خاکسار کا مضمون "مولانا آزاد

کی فکرِ قرآنی کا عمومی تجزیہ" فکر و نظر علی گڑھ ابو الکلام آزاد نمبر اگست ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۱-۱۲۷۔ لیکن یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دائرے میں تمام تفاسیر کی اپنی افادیت مسلم ہے۔

۸ ذہبی، مذکورہ بالا۔

نیز ملاحظہ ہو زرکشی نوع ۴۱ ص ۱۸۱-۱۸۰ میں خاص فصل باندھی ہے کہ معانی القرآن سے اصل واقفیت تدبر و تفکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی میں انھوں نے جسم و روح اور قلب و ذہن کی بیماریوں سے اجتناب کو اسرارِ وحی کی کلید قرار دیا ہے۔ وہ دراصل مفسر کے کردار کی شرائط کا بیان ہے۔

مولانا فراہی نے بھی ضروری شرائط کے ساتھ غور و فکر اور تدبر و تعقل کو تفسیر اور فہمِ قرآن کے لئے ضروری بتایا ہے ملاحظہ ہو تفسیر نظام القرآن اردو ترجمہ امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۰ء ۲۳-۲۹، دلائل النظام، اسالیب القرآن اور التکمیل فی اصول التاویل پر مشتمل ان کا مجموعہ رسائل الامام الفراہی فی علوم القرآن، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۹۱ء ص ۲۱-۲۹ و متعدد دوسرے صفحات۔ نیز علامہ حمید الدین فراہی — حیات و افکار، مرتبہ عبید اللہ فراہی، دائرہ حمیدیہ سرائے میر ۱۹۹۲ء کے متعدد مقالات، امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، مذکورہ بالا

۹ ابنِ تیمیہ، مذکورہ بالا ص ۵، زرکشی نوع ۱۸ ص ۲۹۱-۲۹۷ انے ایک خاص فصل اس موضوع پر قائم کی ہے کہ مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ابتدا علومِ لفظیہ سے کرے اور ان میں بھی الفاظ مفردہ کی تحقیق سے کہ الفاظِ قرآن کے مفردات کی تحصیلِ معانی ہی اولین خزانہ و معدن ہے۔

نیز ملاحظہ ہو: راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، نور محمد کارخانۂ تجارت کتب کراچی ۱۹۶۱ء ص ۳-۴، ابن تیمیہ، مذکورہ بالا، ۶، فراہی، مفردات القرآن مطبع اصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۳۵۸ھ ص ۴-۵، امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن، ۵۹-۶۰۔

۱۰ زرکشی نوع ۱۸ ص ۲۹۱-۲۹۴، سیوطی، نوع ۴۲، ص ۳۹۲، علامہ حمید الدین فراہی۔ حیات و افکار میں آفتاب عالم ندوی کا مضمون "علامہ فراہی اور مفرداتِ قرآن کی تحقیق" ص ۲۷۵-۲۸۶، امین احسن اصلاحی، مذکورہ بالا۔ نیز ملاحظہ ہو: مصطفیٰ صادق الرافعی اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ، مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ ۱۹۵۲ء، ۶-۴۷۔

ﮧ۱۱ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان، دہلی (غیر مورخہ) ص ۱۳ نیز سیوطی نوع ۳۶/۲ اول ص ۲۰۶-۳۰۸ مسائل ابن الازرق کو سیوطی نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور جدید عہد میں ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی نے اپنی کتاب الاعجاز البیانی للقرآن و مسائل ابن الازرق دار المعارف مصر ۱۹۷۱ء کا تیسرا مبحث بنا کر چھاپ دیا ہے۔

ﮧ۱۲ فراہی، مفردات القرآن ص ۸-۷، امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن ص ۱۰۸-۱۰۴ نے اپنے استاذ گرامی کے نظریہ کو مزید منقح کیا ہے۔

ﮧ۱۳ فراہی، مفردات القرآن مذکورہ بالا، تفسیر نظام القرآن ص ۴۴-۴۲، آفتاب عالم ندوی کا مذکورہ بالا مضمون ۸۶-۸۱ ،رسائل الامام الفراہی ۳-۲۶۲، ۲۷۳، ۲۷۲-۲۷

ﮧ۱۴ زرکشی، نوع ۴/۱ اول ص ۱۰۲-۱۰۱، سیوطی، نوع ۳۹/۱ اول ص ۲۷۳-۲۷۲ ، الحسین بن محمد الدامغانی (م ۴۷۸ھ) قاموس القرآن او اصلاح الوجوہ والنظائر فی القرآن الکریم، دار العلم للملایین بیروت ۱۹۷۷ء ، ابھی حال میں محمد بن عبد الرحمٰن الراوی نے کلمۃ الحق فی القرآن الکریم، موردہا و دلالتہا کے عنوان سے ایک قیمتی کتاب دو جلدوں میں جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سے ۱۴۰۹ھ سے شائع کی ہے۔

ﮧ۱۵ فراہی، تفسیر نظام القرآن ص ۴۲ و مابعد۔ زرکشی، نوع ۴۱/۱ ص ۸۶-۱۰۴ نے ان تمام احکام یا اصطلاحات شرعیہ کو ان آیات و مفردات میں شمار کیا ہے جو دوسری آیات، احادیث اور لغات وغیرہ کی محتاج بیان ہیں

ﮧ۱۶ ابن تیمیہ، مذکورہ بالا ص ۱۱، سیوطی، نوع ۵۷/۱ ص ۵۷۴ نے زرکشی کا بیان ان کتابوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "جن الفاظ میں ترادف کا گمان کیا جاتا ہے ان کے بارہ میں مفسر پر لازم ہے کہ وہ مجازی استعمالات کی مراعات کرے اور جہاں تک بن پڑے ترادف نہ ہونے ہی پر قطع کرے"۔

ﮧ۱۷ سیوطی، نوع ۵۷/۱ ص ۵۷۴ نے اسی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے زرکشی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حالت ترکیب میں دو مترادف لفظوں میں سے ایک لفظ کا دوسرے لفظ کے موقع پر واقع ہونا ممنوع مانا ہے حالانکہ انہی لوگوں نے اس بات کو حالت افراد میں جائز قرار دیا ہے۔

ﮧ۱۸ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مکتبہ فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء ، سورہ فاتحہ اور "الحمد" پر تمام مباحث میں۔

۱۹ه ابن تیمیہ، مذکورہ بالا ص ۱۲-۱۱

۲۰ه ملاحظہ ہو سورۂ ضحیٰ کی تفسیر تمام کتبِ تفسیر میں اور خاکسار کا مقالہ "معیشت نبوی مکی عہد میں" تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی-ستمبر ۱۹۹۰ء، خاص کر ص ۳۱-۲۹۔

۲۱ه ابن تیمیہ، مذکورہ بالا، راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۴، فراہی، مفردات القرآن ص ۵-۴، اور دوسری کتب میں بھی ان کے خیالات ملتے ہیں۔ مفردات کی بحث میں زرکشی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ نیز مصطفیٰ صادق رافعی مذکورہ بالا۔

۲۲ه زرکشی، نوع ۴۶ دوم ص ۵۱۵-۳۸۲، سیوطی، نوع ۵۸ دوم ۳۸-۲۰۷۔ نیز ملاحظہ ہو: فراہی، اسالیب القرآن مشمولہ رسائل الامام الفراہی ص ۲۰۲-۱۴۱، مصطفیٰ صادق الرافعی، مذکورہ بالا ۱۷-۲۱۳۔

۲۳ه زرکشی، نوع ۱۴، اول ص ۲۷۔ ۲۴۴ نے سورتوں کی تقسیم اور بسملہ کے مقام و مرتبہ پر قیمتی بحث کی ہے۔ نیز سیوطی، نوع ۱۹، اول ص ۸۸-۱۷۴ مولانا فراہی نے اپنی کتابوں میں خاص کر دلائل النظام میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور تفسیر نظام القرآن میں بھی۔ زرکشی نوع ۱، ۴۱ ص ۲۰۱-۲۰۰ پر سیاق کی دلالت کو آیت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے ضروری قرار دیا ہے کیونکہ وہ متکلم کی مراد کو بتانے والا سب سے بڑا قرینہ ہے۔ نوع ۲۱ کے خاتمہ پر تنبیہ کے تحت مزید لکھتے ہیں کہ "مفسر کو نظمِ کلام کی رعایت کرنی ضروری ہے" نوع دوم اول ص ۵۰-۳۵ خالص آیات کے ارتباط پر باندھی ہے اور ان میں نظمِ کلام پر بحث کی ہے۔

۲۴ه شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر ص ۵۔ یہاں یہ کہہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نظمِ قرآن اور نظمِ آیات اور نظمِ سورہ کے قطعی منکر نہ تھے۔ وہ ظاہری سیاق و نظمِ کلام کے بھی قائل تھے اور فکری اور معنوی نظام کے بھی۔ لیکن ان کا تصورِ نظامِ قرآن مختلف تھا جس پر بحث کا یہاں موقع نہیں۔

۲۵ه مولانا فراہی کی تمام کتب اسی نقطہ کے گرد گھومتی ہیں اور تفسیر نظام القرآن میں کئی سورتوں کا نظام واضح کیا گیا ہے جب کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن (نو جلدیں) اسی نقطہ نظر سے لکھی ہیں۔ بقاعی، مہائمی نے بھی اسی نہج پر اپنی تفاسیر مرتب کی ہیں اور امام رازی وغیرہ کئی دوسرے

متقدمین نے بھی نظمِ قرآن کی رعایت رکھی ہے۔

۲۶ھ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر ص ۴۷۔۴۸ باب سوم کی تین فصلوں میں قرآن کے اسلوب بدیع پر عمدہ بحث کی ہے۔ زرکشی، سیوطی، فراہی کی مذکورہ بالا تفصیلات و مباحث کے لئے حاشیہ ۲۲ ملاحظہ ہو۔ عربی زبان خاص کر قرآن مجید کی زبانِ بلاغت نظام کے اسالیب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان عام اسالیب کے علاوہ جن کا تذکرہ اوپر ہوا قرآنِ کریم کے اسلوب تصریف ہی متعدد اسالیب رکھتا ہے۔ اور ان میں بھی قصوں کے ضمن میں متعدد اسالیب ملتے ہیں۔ قرآنی اسالیب دراصل تہہ در تہہ اسالیب کا بیکراں مجموعہ ہے۔

۲۷ھ یہ بحث ابنِ تیمیہ اور خاص کر شاہ ولی اللہ دہلوی نے کی ہے جس کا حوالہ آتا ہے۔ تدبرِ قرآن کے نقطۂ نظر کے حاملین خاص کر مولانا فراہی اور امین احسن اصلاحی متن قرآن کے آسانی سے فہم مخاطبین کی گرفت میں آنے کی حقیقت تسلیم کرنے کے باوجود "تدبر" پر ہر سطح پر زور دیتے ہیں جو عمومی سطح کے لئے صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو مبادی تدبر قرآن ص ۳۴-۱۰۸

۲۸ھ ابنِ تیمیہ، مذکورہ بالا ۵، امین احسن اصلاحی، مبادی تدبر قرآن ص ۱۰۸-۱۱۱ نے ان واقعات وروایات میں سے بعض کا ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ تدبر ہر سطح اور ہر شخص — عام اور خاص — کے لئے لازمی ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں کہ تدبر کا حکم الٰہی ہے۔ مگر مسئلہ متنِ قرآن کے معانی کے فہم و ترسیل کا ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ متنِ قرآن خالص فہم معانی کے لئے کافی ہے۔

۲۹ھ شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر، ص ۵ اور ص ۲۹۔ قرآنِ منطوق اور قرآنِ مفہوم پر مزید بحث کے لئے ملاحظہ ہو: سیوطی، نوع ۵۰ دوم ص ۸۵-۸۲۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ و متنِ قرآنِ کریم کے ظاہری معانی ہی مراد ہوتے ہیں اور ان کو عربِ اول بہ آسانی سمجھ لیتے تھے۔ تدبر کا مرحلہ اس کے بعد آتا تھا جس کے سبب مزید احکام واسرار اور باطنی معانی ان پر کھلتے تھے اور علمِ تاویل اور فہمِ تفسیر ترقی کرتا تھا۔

۳۰ھ ابنِ تیمیہ، مذکورہ بالا ص ۳۴-۲۰، زرکشی نوع ۴۱ دوم ص ۵-۱۶۴ پر یہی بات یوں کہی ہے کہ عرب جس کو جانتے ہیں اس کی طرف ہی مراجعت کرنی لازمی ہے کہ یہی لغت و اعراب کی شان ہے

۳۱ء ابن تیمیہ مذکورہ بالا ص ۴۴۲-۲۰، شاہ ولی اللہ دہلوی، الفوز الکبیر ص ۲۹-۴ خاص کر ص ۸۷، زرکشی، سیوطی اور دوسرے تمام اکابر نے ظاہری معانی کے لزوم و مراد پر اتفاق کیا ہے مثلاً ملاحظہ ہو زرکشی نوع ۴۱ ص ۷-۲۰۵ نے ایک فصل الظاہر والموول (ظاہری اور تاویل شدہ الفاظ اور ان کے معانی) پر باندھی ہے۔

۳۲ء فراہی، تفسیر نظام القرآن ص ۴۸-۴۶، التکمیل فی اصول التاویل ۳۰-۲۲۹ و ما بعد۔ اوپر کئی حواشی اور تعلیقات میں زرکشی، سیوطی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کے حوالہ سے یہ بحث گزر چکی ہے۔ انھوں نے دوسرے مقامات پر بھی اس قسم کے مسائل سے تعرض کیا ہے جن کا یہاں موقع نہیں۔

۳۳ء زرکشی، نوع ۴۱، ص ۹۶-۱۸۳۔ ان تمام آیاتِ کریمہ میں بیان و وضاحت کی ضرورت اصولی طور سے پڑتی ہے جن میں گزشتہ واقعات یا عصری حالات کی طرف اشارات ہیں یا جو احکام اور ماورائے دنیا کے امور سے متعلق ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ان اشارات واحکام وامور کی تصریح و تشریح کے باوجود متنِ قرآن اپنے ظاہری معانی کے لحاظ سے واضح اور مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی متن تو سمجھ میں آجاتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ان کے اشارات واحکام کی تفصیلات باقی رہ جاتی ہیں۔

۳۴ء فراہی، التکمیل فی اصول التاویل ص ۳۰-۲۲۹۔ نیز شاہ ولی اللہ دہلوی، ابن تیمیہ، زرکشی نوع ۴۱ دوم ص ۷-۲۰۵ جنھوں نے بات تو یہی کہی ہے جو مولانا فراہی کے ہاں ہے کہ ایک متنِ قرآنی اپنے سیاق و سباق میں ایک ہی معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن مولانا فراہی نے اسے زیادہ منقح اور مدلل کر دیا ہے۔

۳۵ء فراہی، تفسیر نظام القرآن، مذکورہ بالا۔ زرکشی، سیوطی، ابنِ تیمیہ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ متعدد ماہرینِ تفسیر و اصولِ تفسیر نے اسی بات کو اپنے اپنے انداز میں پیش کیا ہے جیسا کہ گزشتہ تعلیقات و حواشی سے واضح ہوتا ہے۔

۳۶ء فراہی، تفسیر نظام القرآن، ص ۴۸-۴۶، ابن تیمیہ، زرکشی، سیوطی وغیرہ کے علاوہ ذہبی، ابوالکلام آزاد، امین احسن اصلاحی اور متعدد دوسرے قدیم و جدید ناقدین نے تفاسیرِ ماثورہ اور رائے جائز پر مبنی تفاسیر میں اقوال کی کثرت پر بحث کی ہے اور ان میں سے ضعیف اور بلا سند اقوال پر

تنقید بھی ہے حتی کہ امام ابن جریر طبری اور ابن کثیر جو کثرتِ اقوال نقل کرنے کے شائق ہیں کہیں کہیں نقد و جرح سے کام لیتے ہیں خاص کر موخر الذکر ملاحظہ ہو ڈاکٹر مسعود الرحمٰن ندوی کا مضمون ابن کثیر کی ایک نئی سوانح، تحقیقات اسلامی علی گڑھ جنوری۔ مارچ سنہ ۱۹۸۹ء ص ۴۹-۳۳، اپریل۔ جون سنہ ۱۹۸۶ء ص ۶۶-۵۱۔

۳۷ھ ابنِ تیمیہ، مذکورہ بالا ص ۹-۶۔ زرکشی اور سیوطی نے بھی اسی حقیقت کو متعدد مقامات پر واضح کیا ہے کہ اس قسم کے تمام اختلافات دراصل اختلافات اور متعدد اقوال نہیں بلکہ وہ متعدد و مختلف نظر آنے کے باوجود ایک ہی معنی واحد کی طرف لے جاتے ہیں۔

۳۸ھ صراطِ مستقیم کی آیات کے لئے ملاحظہ ہو: محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس مادہ (صراط) اور ان کی تفسیر کتبِ تفاسیر میں مولانا فراہی، التکمیل فی اصول التاویل ص ۲۸-۲۴ نے تاویل اور اس کے حکم کی تعریف، تاویل، تفصیل اور تحریف کے فرق اور تاویل میں واقع ہونے والے اسبابِ خطا پر بحث کرتے ہوئے اس کے کئی معانی آیات مذکورہ بالا کے حوالہ سے بتائے ہیں۔ جن میں سے حقیقت امری، حقانیت تاویل وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تاویل کا علم معنیٔ واحد کی طرف لے جاتا ہے اور پھر اس کے متعدد اصول وضع کئے ہیں۔

صراطِ مستقیم کے بارے میں امام ابن تیمیہ نے بھی یہی بات لکھی ہے ملاحظہ ہو: راغب الطباخ تاریخ افکار و علوم اسلامی اردو ترجمہ افتخار احمد بلخی، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سنہ ۱۹۸۳ء ص ۶-۲۴۵ مترجم کا حاشیہ ص ۲۴۶۔

۳۹ھ فراہی، التکمیل ص ۶۰-۲۴۲ نے معنی مرادی کے فہم کے چھ طریقے بیان کئے ہیں ان میں قرآن کی قرآن سے تاویل، نظمِ کلام کی رعایت، اجمال کے تمام ابواب کو جمع کرنا، الفاظ و معانی کے وجوہ وغیرہ متعدد امور شامل ہیں جن کے آخری نتیجہ میں مرادی معنی نکل آتے ہیں اور جن پر قطعیت کے ساتھ حکم لگایا جا سکتا ہے۔

۴۰ھ زرکشی، نوع ۴۱ دوم ص ۱۴۸ و مابعد۔ تفسیر و تاویل کی دو سطحیں ہیں جن کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ متن کے ظاہری معانی کی تشریح اور ظاہر متن کے پیچھے چھپے ہوئے اشارات و احکام و امور کی تاویل و تصریح۔ تفسیر و تاویل کا زیادہ تر بلکہ سراسر تعلق دوسری سطح سے ہے، پہلی سطح سے

صرف ان لوگوں کا ہے جو قرآن منطوق کو نہیں سمجھتے ۔

۴۱ سورۂ نصر کا ترجمہ مولانا مودودی کا ہے۔ تفسیر کے لئے کتبِ تفاسیر ملاحظہ ہوں۔ مولانا مودودی نے تاویل سورۂ کریمہ کے ضمن میں ان تمام روایات کو پرکھا ہے جو اس کے شانِ نزول اور تاویل کے بارے میں آئی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ نصر اور فتح سے مرادِ فتحِ مکہ نہیں ہے بلکہ وہ عمومی فتح ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتحِ مکہ کے نتیجہ میں عرب کے اجتماعی اسلام کی صورت میں حاصل ہوئی تھی جب کہ بیشتر مفسرین نے اس میں فتح سے مرادِ فتحِ مکہ لی ہے جیسے مولانا شبیر احمد عثمانی۔

۴۲ فراہی، ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، زرکشی وغیرہ تمام علما و مفسرین نے تدبر و تفکر کی بنا پر نئی تفاسیر کی ضرورت واضح کی ہے۔ اور ان بزرگوں میں سے اکثر نے اسی بنا پر نئی تفاسیر لکھیں۔ جدید عہد میں صرف برصغیر پاک و ہند میں ہزار ہا تفسیریں لکھی گئی ہیں جن میں شاہ عبدالقادر، مولانا محمود حسن و مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ کی تفاسیر عظیم ترین ہیں۔ عرب دنیا میں محمد عبدہ، رشید رضا، مراغی، سید قطب کی تفاسیر اور عائشہ بنت الشاطی کی تحریریں عظیم سرمایہ ہیں۔

۴۳ تفسیر بالرای الجائز اور تفسیر بالرای المذموم پر ڈاکٹر ذہبی کے تبصرے ملاحظہ ہوں حتی کہ تفاسیر ماثورہ اور تفاسیر رائے جائز میں ایسے نقد کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً ابن جریر طبری اور دوسرے مفسرین نے تفسیرِ ماثورہ کی ضعیف روایتوں خاص کر اسرائیلیات کے استعمال پر سخت نقد کیا ہے۔ ابن تیمیہ نے مذکورہ بالا ص ۲۴-۱۳ نے بھی تمام تفاسیر پر ایک تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ زرکشی اور سیوطی وغیرہ کے گزشتہ حوالے بھی اس نقد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

مولانا فراہیؒ کی نایاب کتابیں اب پھر دستیاب

رسائل الامام الفراهي في علوم القرآن

مولانا فراہی کی تین معرکۃ الآرا تصانیف

۱۔ دلائل النظام۔ ۲۔ التکمیل فی اصول التاویل۔ ۳۔ اسالیب القرآن کا مجموعہ

صفحات ۲۸۰۔ قیمت ۶۵/ روپے

ملنے کے پتے:- ادارہ علوم القرآن، پوسٹ بکس نمبر ۹۹ سرسید نگر علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

دائرہ حمیدیہ، مدرستہ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ (یو پی)